قابل اطلاع

بعدالت عظمیٰ ہندوستان

بااختیارات اپیلات فوجداری

فوجداری اپیل نمبر 872 سال 2015

خورشید احمد (اپیلانٹ)

بنام

ریاست جموں وکشمیر (جواب دہندہ)

فیصلہ

این وی رامانا، جے

ا۔ یہ اپیل اُس فیصلے کے خلاف کی گئی ہے جو عدالت عالیہ جموں وکشمیر جموں نے 11/مارچ 2015ء کو فوجداری اپیل نمبر 36 سال 2012ء میں دیا تھا اس فیصلے کے تحت عدالت عالیہ نے پرنسپل سیشن جج بھدرواہ کے فیصلے کو تبدیل کیا جس میں سیشن جج نے اپیلانٹ کو الزام سے بری کر دیا تھا اور عدالت عالیہ نے اُسے دفعہ ۳۴۱/۳۰۲ رنبیر پینل کوڈ کے تحت عمر قید کی سزا کے ساتھ ساتھ ایک ہزار روپئے دفعہ ۳۰۲ آر پی سی کے جرم کے لئے اور پانچ سو روپئے دفعہ ۳۴۱ آر پی سی کے جرم کے لئے جرمانہ بھی عائد کر دیا اور ساتھ میں یہ حکم بھی دیا کہ یہ عائد کردہ جرمانہ اُس کی جاگیر سے وصول کیا جائے۔

۲۔ اس مقدمے کے تفصیلی حقائق اس طرح سے ہیں کہ ۱۸/مئی ۲۰۰۶ء کو ایک ارشد سجاد نامی دوکان دار جس کی ہارڈ ویئر کی دکان تھی۔ اپنے والد کے ساتھ جس کا نام سجاد احمد بٹ تھا تقریباً شام کے ۵:۳۰ بجے اپنی دکان بند کر کے واپس اپنے گھر جا رہے تھے۔ ابھی وہ راستے میں مسجد کے قریب ہی تھے

کہ اپیلانٹ نے سامنے سے اُن کا راستہ روکا اور گالی گولوچ دینی شروع کردی۔ جب انھوں نے اس کی ان گالیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا تو اپیلانٹ نے ارشد سجاد کو ایک لوہے کے ڈنڈے سے پیچھے سے سر پر وار کیا۔ اس کے بعد زخمی ارشد سجاد اور اس کا والد علی محمد کی کلنک پر چلے گئے۔ سرکاری گواہ نمبر (۳) علی محمد کے کہنے پر وہ بھدرواہ تھانہ میں معاملے کی نسبت اطلاع دینے چلے گئے۔ اس طرح ایف آئی آر ۵۳ سال ۲۰۰۶ء ذریع دفعہ آر پی سی ۳۲۳/۳۴۱ ملزم اپیلانٹ کے خلاف دائر ہوئی۔ اُس کے بعد پولیس نے زخمی کو سب ضلع ہسپتال بھدرواہ بھیج دیا۔ چونکہ اُس کی حالت مزید بگڑ رہی تھی جس کی وجہ سے اُسے گورنمنٹ میڈیکل کالج جموں منتقل کیا جارہا تھا لیکن زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ راستے میں ہی دم توڑ بیٹھا۔

۳۔ نثار احمد ایس ایچ او (SHO) بھدرواہ نے معاملے کی جانچ کرتے ہوئے لاش کو پوسٹ مارٹم کرنے کے لئے بھیج دیا، اُس کے زیب تن کپڑے ضبط کئے، جگہ کا معائینہ کیا، خون آلودہ مٹی اور صاف مٹی جائے وقوع سے ضبط کی نقشہ (Ext.PWNA) مرتب کیا اور فرد ضبطی بھی مرتب کی۔ ملزم اپیلانٹ کو ۲۰/مئی ۲۰۰۶ء کو گرفتار کیا گیا اور اس کے کہنے پر آلہ قتل لوہے کی راڈ بھی ضبط کی گئی۔ جس کو کیمیکل تحقیق کے لئے بھیج دیا گیا۔ گواہان کے بیانات دفعہ سی آر پی سی ۱۶۱ کے تحت قلمبند کئے گئے۔ اُس کے بعد تفتیشی (آئی،اُو) نے تفتیش کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ پایا کہ ملزم کا مقتول پر حملہ کرنا بنیادی طور پر یہ تھا کہ ان دونوں کے درمیان اس دن دوپہر کے وقت لین دین کو لے کر دکان پر ایک جھگڑا ہوا تھا۔ مقتول نے ملزم کی ذمہ واری پر گیسو دین کو کچھ جی آئی شیٹ دی ہوئی تھی۔ جب ملزم مقتول کی دکان پر آیا تو مقتول نے اسے اُن پیسوں کو دینے کی بات کی۔ اس مسئلے کو لے کر ان دونوں کے بیچ میں ہاتھا پائی ہوگئی۔ اسی دوران پاس سے گزرنے والے لوگوں نے جن میں فرید اقبال، سجاد احمد جو کہ مقتول کا والا ہے، عابد حسین اور امجد حنیف تھے اُنھوں نے ان دونوں کو چھڑایا۔ دُکان سے جاتے ہوئے ملزم

نے مقتول کو دھمکی دی کہ وہ اُسے دیکھ لے گا اور شام کو جب مقتول اور اُس کا والد اپنے گھر جا رہے تھے تو ملزم اُنھیں راستے میں ملا اور اُس نے مقتول کو سر پر واز کیا۔

۴۔ اس گہرے سر کے زخم کی وجہ سے ارشد سجاد کی موت واقعہ ہوگئی اور ملزم کا جرم دفعہ آر پی سی ۱۴۱/۳۰۲ میں تبدیل ہوگیا۔ اُس کے بعد ملزم کے خلاف فرد جرم عائد کیا گیا جس کو ملزم نے نہیں مانا اور مقدمے کی پیروی کرنے کا اظہار پیش کیا۔

۵۔ مقدمہ کی سماعت میں ملزم کو قصوروار ثابت کرنے کے لئے مستغیث نے چودہ گواہوں کو پیش کیا جب کہ ملزم نے اپنے بچاؤ کے لئے اپنی طرف سے ایک گواہ پیش کیا۔ ٹرائل کورٹ مقدمے کا ٹرائل مکمل کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ مستغیث قتل کرنے کے مقصد کو ثابت کرنے میں ناکام ہوا ہے۔ وہ اس بات کو ثابت کرنے میں بھی ناکام ہوا ہے کہ جو گواہی اس مقدمے کے اہم چشم دید گواہ (مقتول کا والد) نے دی ہے۔ اُسی کی گواہی دوسرے گواہوں سے تصدیق نہیں ہوتی ہے اور مستغیث ملزم کے خلاف ان سب گواہوں کو ثابت کرنے میں ناکام ہو چکا ہے جس وجہ پر ملزم کو دفعہ آر پی سی ۳۴۱/۳۰۲ کے الزامات سے بری کیا جاتا ہے۔

٦۔ ٹرائل کورٹ کے اس بری کردہ غیر منصفانہ فیصلے کے خلاف جموں وکشمیر سرکار نے عدالت عالیہ میں ایک اپیل دائر کر دی۔ عدالت عالیہ اس مقدمے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچی ہے اور پایا ہے کہ مقدمے کے اہم چشم دید گواہ (مقتول کا والد) کا بیان اہم بیان تصدیق کیا ہے اور اس کے اس اہم بیان کو ٹرائل کورٹ نے نظر انداز کیا ہے اور ایسا کر کے ٹرائل کورٹ نے انصاف پسند کے اسقاط حمل کا ارتکاب کر کے ناانصافی کی ہے۔ اسی بنا پر ہائی کورٹ نے اس باعزت بری کرنے والے فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے ملزم کو آر پی سی ۳۴۱/۳۰۲ کے تحت سزا سنا دی۔ یہی وجہ ہے کہ اس فیصلے کے خلاف آج اپیلانٹ نے اس کورٹ میں یہ اپیل دائر کی ہے۔

۷۔ اس سے پہلے کہ ہم ان ثبوتوں کا جائزہ لیں جو دیئے گئے ریکارڈ میں موجود ہیں ہم اس بات کو مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ہم ان تجاویز کا جائزہ لیں جو دونوں فریقین کے وکلا نے ہمارے سامنے رکھی ہیں۔

۸۔ محمد اسلم گونی جو کہ وکیل ملزم اپیلانٹ ہیں اس نے زوردار طریقے سے بحث کرتے ہوئے اس چیز کی طرف اشارہ دیا ہے کہ پورے مقدمے میں بہت ساری بھول مستغیث کی طرف سے رہی ہے جس کو عدالت عالیہ نے نظر انداز کیا ہوا ہے جب اس نے ٹرائل کورٹ کے فیصلے کو تبدیل کیا ہے۔ وکیل ملزم نے اپنی بحث میں یہ کہا ہے کہ مستغیث کے مطابق ایک زبانی اطلاع باوقت شام ۸:۳۰ کو تھانہ بھدرواہ میں مقتول نے دی جس میں اس نے واقعہ کے بارے میں ظاہر کیا اور جس کی بنیاد پر ایک پرچہ درج کیا گیا۔ اس کے بعد تفتیشی نثار احمد نے تقریباً شام ۱۰ بجے مقتول کا بیان ہسپتال میں قلم بند کیا، لیکن یہ قلم بند شدہ بیان اس بنیادی فائل سے غائب ہے جس کو تبدیل کر کے ایک اور بیان اس کی جگہ رکھا گیا جو کہ تفتیشی جان محمد کی قلمی تھا اور جیسے مستغیث کی طرف سے گواہ بھی نہیں رکھا گیا ہے۔ تفتیشی کے قلم بند بیان کو اے ایس آئی جان محمد کے قلم بند بیان سے تبدیل کرنے کا مقصد صرف ملزم کو اس مقدمے میں پھنسانے کا تھا۔

۹۔ وکیل ملزم کی طرف سے یہ بھی بحث میں کہا گیا کہ نہ تو اپیلانٹ کا کوئی خاص مقصد قتل کرنے کا تھا اور نہ ہی اس حادثے کا کوئی آزاد گواہ موجود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مقتول کو صرف ایک زخم آیا ہوا تھا تو عدالت عالیہ کو ٹرائل کورٹ کے نظریئے سے کوئی مختلف نظریا نہیں اپنانا چاہئے تھا۔ ٹرائل کورٹ کو فیصلے کی تائید/حمایت میں وکیل ملزم نے اسی کورٹ کے مختلف دیئے ہوئے فیصلوں کا جن میں رتھی نام بنام تامل ناڈو سرکار وغیرہ، ۲۰۱۱ء ایس ایس سی ۱۴۰، بند یشوری پرشاد سنگھ وغیرہ بنام بہار سرکار وغیرہ (۲۰۰۲) ۶ ایس ایس سی ۶۵۰ اور سنیل کمار سبھو دیال گپتا وغیرہ بنام مہاراشٹرا سرکار (۲۰۱۰) ۱۳ ایس ایس سی ۶۵۷ کا ذکر کیا اور بتایا کہ عدالت عالیہ کا جائزہ لینا اس موجودہ مقدمے میں نہیں بنتا ہے کیونکہ اس ٹرائل

کورٹ کے فیصلے میں کوئی بھی منفی غلطیاں یا کوئی غیر قانونی طریقہ نہیں پایا گیا۔

۱۰۔ وکیل ملزم نے اس کورٹ کو اس بات سے متاثر کرنے کی کوشش کی کہ سرکاری گواہ نمبر ۹ جو کہ مقتول کا والد ہے اس کا وہ بیان قابل اعتبار نہیں مانا جاسکتا کیونکہ وہ ایک دلچسپ گواہ مانا جاتا ہے۔ حقیقت یہ بھی ہے کہ کھاتے کے صفحہ نمبر ۶۴ پر یہ کہیں بھی پایا نہیں گیا ہے کہ ملزم نے غیاث الدین کی طرف سے پیسے دینے کی ضمانت دی ہو اس بات کو زور دیتے ہوئے کہ جو سرکاری گواہ ۹ نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ولایت گونی نے وہ پیسے ۲۰۰۷ء میں لوٹا دیئے تھے جو غیاث الدین کے نام پر تھے۔ بحث میں یہ بات بھی بتائی گئی کہ مستغیث اس بات کو ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے کہ اُس قتل کرنے کا اصلی مقصد کیا تھا کیونکہ ادائیگی پیش کرنے والا انسان کوئی اور ہی تھا لیکن مستغیث نے غلط طریقے سے ملزم کو ایک ضمانتی کے طور پر ٹھہرایا اور بے وجہ اس مقدمے میں پھنسایا ہے۔

۱۱۔ وکیل ملزم نے مزید بحث کرتے ہوئے مختلف فیصلوں کا جو اس کورٹ نے پہلے ہی دئے ہوئے ہیں کا ذکر کیا ہے جن میں شیوا جی سبراؤ بوگڈے وغیرہ بنام مہاراشٹرا سرکار (۱۹۷۳) ۲ ایس ایس سی ۷۹۳، یو پی سرکار بنام کسان پال وغیرہ (۲۰۰۸) ۱۶ ایس سی سی ۷۳، نالہ بوتھو وینا کش بنام اندھرا پردیش سرکار (۲۰۰۲) ۷ ایس سی سی ۱۹۷ اور جرنیل سنگھ وغیرہ بنام پنجاب سرکار (۲۰۰۹) ۹ ایس سی ۱۹۷ وغیرہ وغیرہ شامل ہیں اور کہا ہے کہ عدالت عالیہ نے ملزم کو سزا دیتے وقت اہم قانونی اصولوں کو نظرانداز کیا ہوا ہے جس کو کہ ٹرائل کورٹ نے پہلے ہی بری کیا ہوا تھا۔ مستغیث نے کہا ہے کہ جائے وقوع پر اسلم اور ذاکر بھی موجود تھے لیکن ان دونوں کو نہ تو گواہ کے طور پر پیش کیا گیا اور نہ ہی ان کے بیان قلم بند کئے گئے۔ یہاں تک کہ جو مبینہ چشم دید گواہ جو کہ مقتول کا والد ہے اس نے بھی یہ پوری طرح نہیں دیکھا ہے کہ مقتول کس کے ہاتھوں زخمی ہوا تھا۔ یہ سب اُس کے اپنے دیئے گئے بیان میں پایا گیا ہے جس میں اُس نے کہا ہے کہ وہ ایک میٹر مقتول کے آگے آگے جا رہا تھا اور وہ اس وقت پیچھے مڑا

جب اس نے اپنے بیٹے کی چیخ و پکار سنی اور اس اثنا میں اپیلانٹ وہاں سے غائب ہو گیا۔ اس صورت میں مستغیث کا یہ جو مقدمہ جو مکمل طور پر سرکاری گواہ نمبر ۹ کی بنیاد پر مبنی تھا اس کو مکمل نہیں مانا جا سکتا کیونکہ اس کا یہ بیان فرضی اور غیر ذمہ دارانہ مفروضات اور قیاسات پر مبنی مانا جاتا ہے۔

۱۲۔ دوسری دلیل وکیل ملزم کی یہ ہے کہ جب مقتول کو ہسپتال لیا گیا تھا اس وقت وہ پورے ہوش و ہواس میں تھا لیکن موجودہ ڈاکٹر نے صحیح علاج نہیں کیا جس کی وجہ سے اس کی جان بچائی جا سکتی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کا کوئی X Ray بھی نہیں کرایا۔ اس لئے یہ جو موت واقعہ ہوئی ہے وہ طبی لاپرواہی کی وجہ سے ہوئی ہے۔

۱۳۔ دوسری طرف ریاست جموں و کشمیر کی طرف سے پیش کردہ وکیل نے عدالت عالیہ کے فیصلے کو سراہانا کرتے ہوئے یہ دلیل دی ہے کہ ملزم کے خلاف بہت سارے ثبوت پائے گئے ہیں جن کی بنیاد پر ملزم کو جرم کرنے میں ملوث پایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ گواہان کی گواہی بھی اس بات کو صحیح ثابت کرتی ہے۔ وقوعہ کے فوراً بعد مقتول تھانہ گیا اور بتایا ہے کہ کس طریقہ سے ملزم نے اس پر حملہ کیا۔ یہاں تک کہ وقوعہ کے ۳ گھنٹے بعد ہی تفتیشی نے مقتول کا بیان ہسپتال میں قلم بند کیا جاتا ہے جہاں پر مقتول کو علاج کرنے کے لئے لیا گیا تھا اور وہاں پر بھی مقتول ایک تفصیلی بیان وقوعہ کے بارے میں دیتا ہے اور اس لڑائی کا بھی ذکر کرتا ہے جو اُس دن دن کے وقت ان کے بیچ ہوئی تھی اور ایک لین دین کے معاملے میں ہوئی تھی۔ جب مقتول کا خود کا دیا ہوا بیان اور اس کے والد کا ایک چشم دید گواہ کے طور پر دیا ہوا بیان اس حملے کے مقصد کو ثابت کرتا ہے تو مستغیث کو جرم کرنے کے مقصد کو ڈھونڈنے کا کوئی بوجھ نہیں رہتا اور آسانی سے ملزم کے حملے کا مقصد ظاہر کرتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ اس ہر آدمی کی جانچ پڑتال کی جاتی جس نے زخمی کو ہسپتال لیا تھا۔ دوسری طرف علی محمد کے مشورے پر وقوعہ کے بارے میں پولیس کو اطلاع دینا جب کہ زخمی خود ہی تھانہ پہنچ گیا اور اس کے من میں اس بات کو ظاہر کرنا کہ کس

طرح سے ملزم نے اس پر وار کیا تا کہ اُسے جلدی جلدی ایک طبی امداد ملے اور یہ کسی زخمی سے اس بات کی امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ وقوعہ کو اس وقت پوری طرح سے بیان کرے۔ان حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہائی کورٹ نے ٹرائل کورٹ کے فیصلے کو سزا میں بدل دیا ہے۔جس فیصلہ کا ملزم/اپیلانٹ حق دار تھا کیونکہ اس نے ایک بے رحم اور غیر انسانی حملہ مقتول پر کیا تھا اور وہ بھی صرف اس پیسے کے لئے جس کی ضمانت ملزم نے دی تھی۔

۱۴۔ دونوں فریقین کے وکلاء کے بحث سننے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہمیں باری باری سے تمام دلیلوں کو نظر میں رکھنا چاہئے۔سب سے پہلی اور اہم دلیل وکیل ملزم کی طرف سے ہے جو اس نے ایف آئی آر نمبر (۲۰۰۶) ۵۳ میں کہی ہے اور جو ایف آر آئی ۱۸ رمئی ۲۰۰۶ء کو درج ہوا ہے۔اس ایف آئی آر میں جو مواد درج کیا گیا ہے اس میں ہم نے پایا کہ وقوعہ کے فوراً بعد مقتول اور اس کا والد سجاد احمد سرکاری گواہ نمبر ۹ علی محمد کی کلنک پر دوڑتے ہیں تا کہ مقتول کا فوری علاج ہو سکے۔اور بعد میں اُسی کی رائے پے وہ تھانہ تقریباً شام ۸:۴۵ پر چلے جاتے ہیں اور ایک زبانی رپورٹ درج کرواتے ہیں۔ اسی رپورٹ پر پرچہ علت ۲۰۰۶/۳ درج کیا جاتا ہے اور مقدمے کی تحقیقات ہیڈ کانسٹبل ویدراج کو سونپی جاتی ہے اور وقوعہ کی تصدیق گواہ علی محمد (Pw3) مقتول کے والد (Pw9) اور نثار احمد (Pw14) سے کی جاتی ہے۔سرکاری گواہ نمبر ۳ کے مطابق وقوعہ کے دن مقتول اور اس کا والد ۲/۳ اور لوگوں کے ساتھ اس کی کلنک پر مقتول کا علاج کروانے کے لئے آئے تھے اور اس نے زخمی کو بغیر کوئی علاج کئے انھیں پہلے تھانے جانے کی رائے دی تھی۔

۱۵۔سرکاری گواہ نمبر 14 نثار احمد تفتیشی نے کہا ہے کہ وہ جو زبانی رپورٹ مقتول نے دی تھی وہ منشی نے قلم بند کی تھی اور اس نے اس رپورٹ پر اپنے دستخط کئے تھے۔اس کے بعد اس نے تحقیقات کا کام حولدار ویدراج کو سونپ دیا تھا۔اور سب سے پہلے اس نے زخمی کو ہسپتال روانہ کیا اور بعد میں وہ اسے ہسپتال

میں ملنے گیا اس وقت رات کے ۱۱ بجے کا وقت تھا؛ جب اس نے اس کی حالت نازک دیکھی تو اس نے اسی وقت اس کا بیان قلم بند کیا اور اس مقدمہ میں دفعہ آر پی سی ۳۰۷ کو جوڑ دیا گیا۔ اس نے اس بات کا خود ہی اظہار کیا ہے کہ جو بیان دفعہ سی آر پی سی ۱۶۱ کے تحت قلم بند کیا تھا وہ اس کا قلمی نہیں تھا لیکن اس نے اس پر دستخط کیا تھا۔ ہمارے حساب سے اُس بات کا کوئی شک نہیں ہے کہ پرچہ جو ہے وہ زبانی رپورٹ پر کاٹا گیا تھا جو کہ مقتول نے دی تھی جس کو ایک اہم دستاویز مانا جاتا ہے۔ جو کہ حادثے کے فوراً بعد دی گئی تھی۔ اس عدالت نے اس بات کو پھر سے واضح کیا ہے کہ پہلی دی ہوئی اطلاع صرف ایک (دائرۃ المعارف) نہیں ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ پرچے کو دائر کرتے وقت ہر چیز کا ذکر کرنا یا ہونا ضروری ہے۔ اس موجودہ کیس میں اطلاع دینے والا کافی زخمی ہوا تھا اور اُسے سر پر گہری چوٹ لگی ہوئی تھی اور وہ اپنے والد کے ساتھ سرکاری گواہ ۳ کی کلنک پر چلے گئے اور اس کے بعد وہ تھانہ چلے گئے جو کہ اس وقت تشویش میں ہوں گے۔ اُن کا دماغی سنتولن ایسی صورت حال میں کیا ہو سکتا ہے ہم تصور کر سکتے ہیں/سمجھ سکتے ہیں۔ اور اس حالات میں ان کا وقوعہ کو پوری اور تفصیلی طور پر ایف آئی آر میں بیان کرنا نہ ہی ایک غیر قدرتی اور غیر مہلک مانا جا سکتا۔ ٹرائل کورٹ نے مقتول کے دو بیانات کو غلط طور پر استعمال کیا ہے۔۔ ایک وہ جو اس نے وقوعہ کے فوراً بعد تھانے میں دیا ہے اور دوسرا ہسپتال میں جب اُس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ جو بیان تفتیشی نے ہسپتال میں قلم بند کیا ہے اسے پوری طرح سے سرکاری گواہ 9 کے بیان سے تصدیق کیا گیا ہے۔ اور اس میں کوئی بھی گنجائش نہیں ہے کہ ہم اس کو غیر یقینی تصور کریں۔ اس لئے اس بات پر کوئی دلیل بے سود ہے۔

۱۶۔ دوسری بات جو اس بحث سے ابھر کے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس جرم کو کرنے کی ملزم کی کوئی نیت/ ارادہ نہ تھا اور بغیر کسی ارادے کے ملزم کو آر پی سی ۳۰۲ کے تحت قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس کیس میں ملزم کی نیت کے بارے میں ان بیانات سے معلوم کی جا سکتی ہے جو بیانات مستغیث نے

مختلف گواہان کے قلم بند کروائے تھے اور جو حادثے سے پہلے کے ہیں جہاں پر مقتول اور ملزم کی کسی لین دین کے بارے میں ایک جھگڑا ہوا تھا۔ کیونکہ ان دونوں کے بیچ پہلے ہی جھگڑا ہوا تھا اور اسی جھگڑے کی بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا تھا جس میں ملزم نے مقتول کو ایک لوہے کی راڈ سے سر پر وار کیا جس کی وجہ سے اُس کی موت واقعہ ہوئی۔ جیسا کہ Halsbung's Law of England کے تیسرے اڈیشن میں نیت/ مقصد کے بارے میں کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مستغیس مقصد کو ثابت کرسکتا ہے لیکن اُس بات کے لئے مستغیث کو پابند نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہمیشہ جرم کرنے کے ارادے کو ثابت کرے۔ نیت/ مقصد ایک جذبہ ہوتا ہے جو ایک انسان کو ایک خاص کام کرنے کے لئے اکساتا ہے/ مجبور کرتا ہے۔ لیکن ہر مقدمہ میں مستغیث کے لئے مقصد کو ثابت کرنا مشکل بات ہوتی ہے۔ اس کورٹ کے سیوا جی جینو موہیٹ بنام اسٹیٹ آف مہاراشٹرا، اے آئی آر ۱۹۷۳ ایس سی ۵۵ میں اس بات کو ظاہر کیا ہے کہ اگر مستغیس ایک خاص مقصد کو ڈھونڈنے میں ناکام ہوجائے تو اس صورت میں ہم ایک چشم دید گواہ کی صداقت پر شک نہیں کر سکتے۔ اگر مقصد ثابت ہوجائے تو اس کی وجہ سے مستغیث کا کیس اور بھی زیادہ مضبوط ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر مقصد معلوم نہ ہوجائے تو اس صورت میں ایک چشم دید گواہ کا بیان یقین کرنے کے لائق نہ ہوگا یا اعتبار کرنے کے لائق نہ ہوگا۔

۱۷۔ مندرجہ بالا کی روشنی میں ہمیں اس بات کی جانچ کرنی ہے کہ آیا مستغیث مقصد کو ثابت کرنے میں کامیاب ہوا ہے یا نہیں اور ان کے پاس اسے کیا ثبوث موجود ہیں جو ملزم کے جرم کو ثابت کرتے ہیں۔ اس کیس میں سرکاری گواہ نمبر ۹ کے مطابق کہ مقتول نے کچھ G-I ٹن شیٹ ملزم کی ضمانت پر غیاث الدین کو دی تھی روز وقوعہ، جب مقتول نے ملزم سے اُن پیسوں کی ڈیمانڈ کی جو اس کی ضمانت پر غیاث الدین نے مقتول کو دینے تھے لیکن ملزم یہ بات سن کر غصہ ہوگیا اور اس نے مقتول کو گردن سے پکڑ کر اسے مارنے لگا جس کی وجہ سے کچھ خراش بھی اُس کی گردن پر آئیں۔ اس وقت فرید اقبال

(PWI)، امجد حنیف (PW12) اور عابد حسن (PW10) موقعہ پر موجود تھے جنہوں نے ان دونوں کو چھڑایا اس کے بعد ملزم نے مقتول کو کہا کہ وہ اسے کسی وقت بھی دیکھ لے گا۔ دوکان بند کرنے کے بعد جب مقتول اپنے والد کے ساتھ اپنے گھر جا رہا تھا۔ تو راستے میں ملزم ہاتھ میں لوہے کی راڈ لئے ہوئے بٹھا تھا۔ اس نے ان کا راستہ روکا اور گالی گلوچ کرنے لگا۔ جب وہ آگے بڑھے تو اس نے راڈ سے مقتول کے سر پر حملہ کیا جس کی وجہ سے وہ خون سے لت پت ہو کر زمین پر گر گیا۔ جب سرکاری گواہ نمبر۹ نے اپنے بیٹے کی آواز سنی تو وہ پیچھے مڑا لیکن اتنے میں ملزم وہاں سے غائب ہو گیا۔ اس کے بعد وہ ایک مقامی ڈاکٹر (PW3) کے پاس چلے گئے کہ فوری علاج کریں اور اس کے بعد وہ تھانے اطلاع کرانے کے لئے چلے گئے۔

۱۸۔ ریکارڈ سے یہ بھی پایا گیا کہ وہ جو راڈ ملزم نے جرم کرنے کے لئے استعمال کی تھی وہ فٹ ۳ لمبی اور ۸ سینٹی میٹر چوڑی تھی جو کہ پولیس نے اس کے کہنے پر ہی ۲۱ رمئی ۲۰۰۶ء کو برآمد کی تھی۔ سرکاری گواہ نمبر۱۰ نے بتایا ہے کہ اس نے ملزم اور مقتول کے درمیان ہونے والی لڑائی کو اپنی آنکھوں سے خود دکھا ہے جو کہ دن کے وقت ہوئی تھی اور اس نے ملزم کو دھمکی دیتے ہوئے بھی سنا تھا۔ اس نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ مقتول کو ایک موٹر سائیکل پر ہسپتال لیا گیا تھا اور وہ اس کے ساتھ تب تک رہا تھا جب تک اس کی آخری رسومات ادا کی گئی۔ سرکاری گواہ نمبر۳ اور ۱۰ نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ ملزم نے ان کے سامنے لوہے کی راڈ کو برآمد کروایا تھا اور یہ لوہے کی راڈ پولیس نے برآمد کی تھی۔ یہ اسلحہ کی بازیابی ان گواہوں کے بیان نے مستغیث کے کیس کو اور مضبوط بنا دیا ہے۔

۱۹۔ ہم نے ڈاکٹر راج کمار کے بیان کا بھی غور کیا جس نے مقتول کا پوسٹ مارٹم ۱۹ رمئی ۲۰۰۶ء کو کیا تھا۔ پوسٹمارٹم رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ متوفی کو درج ذیل زخم آئے ہیں:

(ا) نوزائیدہ ہڈی کو زخم جو کہ بائیں طرف ہے ورجو 1.5cmx0.25cm گہرا ہے۔

(۲) تین نشانات جو کہ گردن کے دائیں جانب ہے اور جن کی لمبائی ½cm ہے۔

اندرونی معائینہ/ جانچ کرنے پر ڈاکٹر نے پایا کہ

ڈاکٹر نے یہ کہا کہ مقتول کی موت سر پر چوٹ لگنے سے واقعہ ہوتی ہے اور یہ چوٹ کسی سخت چیز سے ۱۲ گھنٹے کے اندر اندر دی گئی ہے ڈاکٹر نے اپنے بیان میں مزید یہ بھی کہا کہ جو زخم مقتول کو لگا تھا وہ زخم ہی اُس کی موت کا کارن بنا ہے۔ ڈاکٹر نے یہ بھی کہا کہ جب مقتول کو ابتدائی علاج کیا جارہا تھا تو اس نے اُسے کہا تھا کہ جب وہ اپنے گھر کی طرف جارہا تھا تو اس وقت کسی نے اُس پر حملہ کیا۔

جرہ کرتے وقت ڈاکٹر نے مزید یہ بھی کہا کہ جب مقتول کو مشاہدہ میں رکھا تھا اس وقت وہ اپنے پورے ہوش وہواس میں تھا۔ اور ایک اسپشلسٹ سرجن بھی بلایا گیا تھا مریض کو جی ایم سی منتقل کرنے کے لئے ایک ایمبولینس بھی دی گئی تھی۔ ابتداء میں ڈاکٹر ابتدائی مرحلے میں مریض کی ٹوٹی ہڈی کے بارے میں پتہ نہیں لگا سکا کیوں کہ X-ray موجود نہیں تھا لیکن اگرچہ اس کا پتہ لگ بھی جاتا تب بھی یہ جان لیوا ہوتا، اگر چند معالمات میں ایک مخصوص علاج کیا جائے تو وہ بچ بھی سکتا ہے ہمارے خیال سے پوسٹ مارٹم رپورٹ وڈاکٹر کی گواہی سرکاری گواہ نمبر۹ سے ملتے جلتے ہیں۔

۲۰۔ دوسرے گواہان کے بیانات کو مدنظر رکھتے ہوئے جن میں فرید احمد جو سرکاری گواہ نمبر 1 ہے۔ اس نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ مقتول کی دکان پر ایک جھگڑا ہوا تھا جس کے بعد ملزم نے مقتول کو یہ دھمکی دی تھی کہ وہ اُسے دیکھ لے گا۔ سرکاری گواہ نمبر 4 نظیر احمد نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ مقتول کا پوسٹ مارٹم کرتے وقت پولیس نے ایک کورے کاغذ پر اس کے دستخط لیے تھے۔ اور اس نے لاش کو مابعد پوسٹ مارٹم اپنی تحویل میں لیا تھا۔ سرکاری گواہ نمبر۵ ریاض احمد رسید کو شناخت کرتے ہوئے اپنے بیان میں بتاتا ہے کہ مقتول کی وفات کے ۲۵/۲۰ دن بعد پولیس نے مقتول کی دکان سے ایک رجسٹر کو اپنی تحویل میں لیا تھا اور وہ اس بات کا گواہ تھا۔ سرکاری گواہ نمبر 7 محمد رمضان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ

اِس نے ہسپتال کا دورہ سال ۲۰۰۶ء میں کیا تھا اور مقتول کے زیب تن کپڑے اُس کے روبرو اتارے تھے۔اسے فرد ضبطی میں گواہ رکھا گیا تھا اور اس نے اپنے دستخط اس فرد ضبطی پر کئے تھے۔سرکاری گواہ محمد سلیم نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ تحویل شدہ کپڑوں کی فرد ضبطی پر اپنے دستخط کئے تھے۔اشتیاق احمد اور سرکاری گواہ نمبر۱۲ امجد حنیف نے بھی مستغیث کے حق میں اپنے بیانات دیئے ہیں اور اس کیس کو مزید مضبوط کیا ہے۔

۲۱۔دفاعی گواہ جان محمد کے بیان پر قناعت کرتے ہوئے یہ پایا گیا کہ متعلقہ وقت پر وہ اے ایس آئی تھا اور اچھی طرح سے اردو پڑھ اور لکھ سکتا ہے جب کہ تفتیشی (آئی۔اُو) اردو نہیں جانتا تھا۔اسی وجہ سے اس نے تفتیشی کے کہنے پر نقشہ جائے وقواع،فرد ضبطی فرد جامہ تلاشی،فرد برآمدگی اور گواہان کے بیانات قلم بند کئے تھے۔جرہ کرتے وقت گواہ نے اظہار کیا ہے کہ وہ ملزم کا رشتہ دار ہے اور صرف آٹھویں جماعت تک پڑھا ہے۔مقدمے کی تحقیقات اس نے نہیں کی ہے بلکہ صرف تفتیشی کے کہنے پر اس نے فرد ضبطی قلم بند کی تھی۔اسی بنا پر اس کے اس بیان میں زیادہ جان موجود نہیں ہے۔جس کی بنا پر ہم اس کے اس بیان کو زیادہ ترجیح نہیں دیتے۔

۲۲۔اس بات پر بھی بحث ہوئے کہ ملزم اُس لین دین میں ایک ضمانتی کے طور پر نہیں تھا اور اسے بے وجہ اس مقدمے میں پھنسایا جا رہا ہے۔ہمارے خیال سے کورٹ کو اس لین دین کی تہہ تک جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آیا مقتول جو کہ ایک چھوٹی ہارڈ ویئر کی دکان کرتا تھا اس نے اپنا حساب کتاب ایک مناسب طریقے سے ایک اکاؤنٹ بک کی طرز پر رکھا تھا کہ نہیں اور اس لین دین میں پیسے لینے والا کون ہے اور پیسے دینے والا کون ہے۔ہمارا دھیان صرف اس بات کی طرف ہونا چاہئے کہ کیا ملزم نے وہ غلط کام کیا ہے جس کی وجہ سے مقتول کی موت واقعہ ہوئی اور کیا ملزم سزا کا مستحق ہے یا نہیں۔ٹرائل کورٹ نے اپنے اس معاملے کو غلط طریقے سے پیش کیا ہے اور اس معاملے کے مادی اور قانون

پہلوؤں کونظرانداز کر کے ملزم کو بغیر کسی حقیقت کے مقدمے سے بری کیا ہوا ہے۔

۲۳۔اوپر کئے گئے بحث ومباحثہ کو مدِ نظر رکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زبانی دیئے گئے بیان جو کہ رکارڈ میں موجود ہیں ان کو طبی ثبوت کیے ساتھ جوڑنے کے بعد ملزم کو اس جرم میں ملوث ظاہر کرتا ہے جو کہ اس کا اس جرم کے مقصد کو اظہار نہ کرنے کی اہمیت کو ختم کر دیتا ہے۔

۲۴۔سینئر کونسل نے یہ بھی بحث میں کہا ہے کہ مستغیث کے مطابق سرکاری گواہ نمبر ۹ سجاد احمد جو کہ مقتول کا والد تھا واحد شخص ہے جو جائے وقوعہ پر موجود تھا۔اسی لئے یہ پورا مقدمہ اس کے بیان کی صداقت پر انحصار کرتا ہے۔سرکاری گواہ نمبر ۹ مقتول کا والد ہے یہی وجہ ہے کہ اپیلانٹ نے یہ الزام لگایا ہے کہ یہ ایک مطلبی گواہ ہے اور اس کے گواہ کو قابل اعتماد نہیں مانا جاسکتا۔ہم اس کی اس تجویز کی تعریف نہیں کر سکتے۔اس کورٹ نے متعدد مقدمات میں دلچسپ/مطلبی گواہ کی صداقت کے پہلو پر غور کیا۔

دلیپ سنگھ وغیرہ بنام پنجاب سرکار (۱۹۵۴) آئی ایس سی آر ۱۴۵ میں یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ:

عام طور پر ایک قریبی رشتہ دار ہی آخری اور اصلی مجرم کی اسکریننگ کرنے اور کسی معصوم فرد کو جھوٹے طور پر پھنسانے میں آخری ہوگا۔یہ سچ ہے کہ جب احساسات بلند ہوتے ہیں اور دشمنی کی ذاتی وجہ ہوتی ہے تو اس صورت میں ایک رجحان پیدا ہوا ہے کہ جس بھی کسی بےقصور شخص کے ساتھ گواہ کو دشمنی ہوتی ہے تو اس کے خلاف ایک غلط بیانی کی جاتی ہے۔

۲۵۔مسالتی بنام اُترپردیش سرکار (۱۹٦۴) ۸ ایس سی آر ۱۳۳ نامی مقدمے میں اسی عدالت کا مشاہدہ ہے کہ: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کسی فوجداری عدالت کو گواہ کے ذریعہ دیئے گئے بیانات کی تعریف کرنی ہوگی جو متعصّبانہ یا دلچسپی رکھتے ہیں تو اس طرح کے شواہد کو وزن دینے میں بہت محتاط رہنا ہوگا۔آیا وہ بیانات کورٹ کو حقیقی معلوم ہوتے ہیں یا شواہد کے ذریعہ انکشاف کردہ بیانات کی کہانی ممکن ہے یا نہیں۔ان تمام چیزوں کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔

لیکن ہمارے خیال میں، یہ دعوی کرنا غیر معقول ہوگا کہ گواہوں کے ذریعے دیئے گئے ثبوتوں کو صرف اس بنیاد پر خارج کیا جانا چاہئے کہ یہ متعصّبانہ یا دلچسپی رکھنے والے گواہان ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جہاں گاؤں میں دھڑے ہوتے ہیں اور اس طرح کے دھڑوں کے مابین دشمنی کے نتیجے میں قتل وغارت گری کا ارتکاب ہوتا ہے تو اس صورت میں فوجداری عدالتوں کو تعصب پسندانہ ثبوت کے ساتھ معاملہ کرنا پڑتا ہے۔

اس طرح کے ثبوتوں کی میکینکل رجکشن صرف اس بنا پر کہ یہ غر منصفانہ/متعصب ہے تو وہ ہمیشہ انصاف پسندی کی ناکامی کا باعث بنے گا۔

۲۶۔ یہاں قانون میں کوئی ایسی تجویز نہیں ہے کہ رشتہ داروں کو ایک ناقابل اعتماد گواہ مانا جاتا ہو، جب کوئی ایسی بات آجائے جس میں یہ لگے کہ ایک گواہ اصلی ملزم کو بچانے کے لئے ایک غلط بیان بازی کررہا ہے تو اس بات کو ثابت کرنے کے لئے وجہ بھی بتانی ضروری ہے جیسا کہ اس کورٹ نے ہربنس کور وغیرہ بنام ہریانہ سرکار (۲۰۰۵) سی آر آئی ایل جے ۲۱۹۹ میں بتایا ہوا ہے۔

۲۷۔ اگر ایک چشم دید گواہ کا بیان جو کہ ان مظلوم کا ایک قریبی رشتہ دار ہے اور وہ بیان اس کے اعتبار کو متاثر کرتا ہے تو اس کے اس بیان پر پوری طرح سے بغیر کسی تصدیق کے یقین کیا جانا چاہئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عدالت کو دلچسپی لینے والے گواہ کے بیان کو نظر ثانی کرتے وقت کافی احتیاط برتنی چاہئے۔ سرکاری گواہ نمبر ۹ کے بیان میں اس نے ایک صاف شفاف تصویر کھینچی ہے کہ کن حالات میں ملزم نے مقتول کے سر پر وار کر کے ایک گہری چوٹ پہنچائی ہے۔ مقتول کے والد کی گواہی کو مقدمہ کے پیش منظر میں سراہنا چاہئے۔

۲۸۔ ہمارے حساب سے سرکاری گواہ نمبر ۹ کی گواہی اس کے اعتماد کو حوصلہ افزائی کرتی ہے اور اس کے علاوہ واقعات کا سلسلہ بھی اس کے اس بیان کو پوری طرح حمایت کرتا ہے اور یہ بیان مستغیث کے کیس کو بھی

مضبوط کرتا ہے ہمیں اس بات کو ماننے سے ذرا سی بھی ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ سرکاری گواہ نمبر ۹ اس واقعہ کا ایک قدرتی گواہ ہے۔ ایک بار جائزہ لینے کے بعد ہم نے یہ پایا ہے کہ اس کی گواہی کو اصلی طور پر قابل اعتماد مانا جائے گا۔

۲۹۔ اس بحث کو جس میں یہ کہا گیا ہے کہ سرکاری گواہ نمبر ۹ ایک میٹر مقتول سے آگے چل رہا تھا جب کہ وہ وقوعہ پیش آیا تھا اور وہ یہ نہیں بتا سکتا ہے کہ یہ ملزم ہی تھا جس نے مقتول کو لوہے کے راڈ سے وار کیا تھا اور اس بنیاد پر اس کے اس بیان کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے لیکن ہم اس بات سے مطمئن نہیں ہیں یہ بھی بحث میں کہا گیا ہے کہ چشم دید گواہ کو کوئی بھی زخم نہیں لگا ہے۔ لیکن یہ ضروی نہیں کہ کسی بھی جرم کو ثابت کرنے کے لئے اس وقعہ کے چشم دید گواہ کا زخمی ہونا لازمی ہے۔ یہ سب باتیں بے بنیاد ہیں جن کا کوئی مطلب نہیں۔

۳۰۔ ریکارڈ میں موجود شواہد کا تجربہ کرتے وقت عدالت ان شواہد کا تجزیہ زیادہ تکنیکی نظر سے نہ کرے بلکہ وہ اس معاملے کے وسیع پن کو نظر میں رکھے اور کورٹ کو ان شواہد کو محض ایک معمولی تضادات پر پورے شواہد کو پوری طرح سے مسترد نہیں کرنا چاہتے۔ بعض اوات ایک سچے گواہ کے بیان میں بھی کچھ تضادات ہو سکتے ہیں جو اس کی یاداشت پر نر بھر کرتا ہے کہ اس نے واقعات کو کس طرح پیش کیا ہے خاص طور پر ایک فوجداری مقدمہ میں وقعہ پیش آنے کے دن سے اس دن تک جس دن اس کا بیان قلمبند ہوتا ہے کافی عرصہ گزر چکا ہوتا ہے اس لئے عدالت کو ان تمام حالات و واقعات کو مدنظر رکھنے کے شواہد کا تجزیہ کرنا چاہئے ایسے حالات و واقعات جو معاملے کی جڑ تک نہیں جاتے ہیں ایسے تضادات کو زیادہ اہمیت نہیں دی جانی چاہئے۔ کسی بھی صورت میں عدالت کو یہ خاص خیال ہونا ضروری ہے کہ وہ کافی حد تک انصاف کریں۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ٹرایل کورٹ نے یک ہائپر تکنیکی نقطہ نظر اپنایا ہے جس کے نتیجے میں ملزم کو بری کردیا گیا۔

۳۱۔ وکیل ملزم نے پُر زور طریقے سے اپنی بحث میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ اپیل جو ایک ملزم کو بری کرنے کے خلاف دائر کی جاتی ہے اس اپیل میں اپیلانٹ کورٹ کی مداخلت کرنے کی محدود گنجائش ہوتی ہے اور ہائی کورٹ نے اس بری کردا فیصلے کو مداخلت کر کے غلط کیا ہے یہ مناسب ہوگا کہ یہاں پر اسی کورٹ کے دیئے گئے پدم سنگھ بنام اتر پردیس سرکار (۲۰۰۰) ا ایس سی سی ۶۲۱ کے فیصلے کا ذکر کیا ہے کہ اپیلانٹ عدالت کو یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس مقدمے کے بیانات کو غور سے دیکھے اور جاننے کی کوشش کرے کہ کیا ان بیانات پر انحصار کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اور اگر کیا جا سکتا ہے تو کیا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مستغیث نے ایک اچھا مقدمہ تیار کیا ہے ایک گواہ کے بیان کی صداقت کا فیصلہ کرنے کے بعد اپیلانٹ کورٹ کو اس کے ثابت شدہ اور تسلیم شدہ حقیقت سے خلاصہ کر کے فیصلہ کرنا چاہئے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ٹرائل کورٹ کی طرح ہی اپیل عدالت کو بھی مطمئن ہونا پڑے گا کہ پرزی کیوشن کا کیس کافی حد تک درست ہے اور ملزم کا قصور کسی معقول شک سے بالاتر ثابت ہو ہے اور ملزم کے ساتھ شروع ہونے والی بے گناہی کا خیال تب تک جاری رہتا ہے جب تک نہ اخری اپیلانٹ عدالت اسے قصوار ٹھہراتی ہے، اس کے اس گمان کو بری کردہ فیصلہ سے نہ تقویت ملتی ہے اور نہ ہی ٹرائل مقدمہ کورٹ میں سزا سے کمزور ہوتا ہے۔

۳۲۔ ایک اپیلانٹ کورٹ کے اختیارات اس بری کردہ فیصلہ کے خلاف بری کردہ فیصلے کے خلاف اپیل میں ویسے ہی ہیں جیسے اختیارات ایک سزا دینے والے فیصلے کے خلاف اپیل میں ہوتے ہیں۔ لیکن اس اپیل میں جو کہ بری کردہ فیصلے کے خلاف دائر کی گئی ہو اس میں کورٹ کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ معصومیت کا امکان ملزم سے رکھا جانا چاہئے اس بنا پر اسی بات کو اس کے بری کردہ فیصلے سے مضبوط کر دینی چاہئے اسکے ساتھ ساتھ اپیلانٹ کورٹ صرف اس بات پر بھی مداخلت نہیں کرے گی کہ اس معاملے میں دو رائے پائی جاتی ہے لیکن جب عدالت عالیہ کو یہ لگے کہ ثبوت کی تعریف غلط طریقے

سے کی گئی ہے جس کی وجہ سے مقدمے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ایک غلط طریقہ اپنایا گیا ہے۔ٹرئل کورٹ نے بھی یہاں ثبوتوں کی تعریف غلط طریقے سے کی ہے عدالت عالیہ نے فوجداری قانون کے بنیادی اصولوں کو لے کر ٹرائل کورٹ کے بری کردہ فیصلے میں مناسب طریقے سے مداخلت کی ہے اور ملزم کو اس مقدمے میں قصوروار ٹھہرایا ہے کیونکہ مستغیث ملزم کے قصور کو صحیح ثابت کرنے میں کامیاب رہا ہے۔

۳۳۔اوپر کی گئی بحث اوراس کے تفصیلی جائزہ وخلاصہ کرنے کے بعد یہ تمام مواداس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے اوراس نتیجہ پر پہنچا تا ہے کہ مستغیث اپنے کیس کو بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت کرنے میں کامیاب ہوا ہے اور یہ جواپیل ملزم نے دائر کی ہے یہ بغیر کسی مواد کے پائی جاتی ہے جس کی بنا پر اسے خارج کیا جاتا ہے۔

جے...................................

(این وی رمانا) نئی دہلی

جے...................................

(ایس عبدالنذیر) ۱۵رمئی ۲۰۱۸ء

دستبرداری کی شق:-

’’مقامی زبان میں ترجمہ شدہ فیصلہ مدعی کے محدود استعمال کے لیے ہے کہ وہ اسے اپنی زبان میں سمجھے اور اسے کسی اور مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔تمام عملی اور سرکاری مقاصد کے لیے فیصلے کا انگریزی ورژن مستند ہوگا اور عمل درآمد کے مقصد کے لیے میدان کا انعقاد کرے گا۔‘‘